دار الافتاء نمبر ۲۳/۱۹۶۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب استاد محترم حضرت اقدس شیخ الاسلام صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آنجناب کی مزاج گرامی کی خیریت مطلوب ہے۔

بعد احترام عرض ہے کہ بندہ جامعہ دارالعلوم کراچی کا فاضل ہے اور آج کل جامعہ اشرف المدارس کراچی میں تخصص فی الافتاء سال دوم میں زیر تعلیم ہے۔ بندہ کو تمرین افتاء کے دوران ایک مسئلہ "کیا دین مؤجل مانع زکوۃ ہے یا نہیں؟" موصول ہوا، مسئلہ کی تحقیق کے دوران بندے کو فتاوی عثمانی اور امداد الاحکام کے موقف میں بظاہر تعارض معلوم ہوا، اور بندے کی سمجھ کے مطابق نظائر سے امداد الاحکام کی تائید ہو رہی ہے، رفع اضطراب کے خاطر دونوں عبارتوں کو یہاں پیش کر رہا ہے۔

فتاوی عثمانی (ج 1، ص70) میں ہے:

"سوال: کینیڈا میں مکانوں کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اس کی یک وقت ادائیگی مشکل ہے اس لئے مجبوراً قرض پر مکان خریدنا پڑتا ہے اور یہ قرض قسطوں میں 25، 30 سال میں ادا کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا صورت میں میں یعنی مکان کا قرضہ بھی ہر ماہ قسط کی صورت میں ادا ہو رہا ہے، اس کے باوجود 5 یا 10 ہزار ڈالر جمع ہو گئے ہیں، کیا ان پر زکوۃ فرض ہو گی؟ اور حج بھی فرض ہو گا؟

جواب: اس رقم پر زکوۃ دینی چاہئے کیونکہ مکان کا قرض مؤجل ہے اور قرض مؤجل علی الاصح مانع وجوب زکوۃ نہیں، وعن أبي حنيفة: لا يمنع، وقال الصدر الشهيد لا رواية فيه، ولكل من المنع وعدمه وجه زاد القهستاني عن الجواهر والصحيح انه غير مانع. (شامی ج:۲، ص:۲۶۱ مط، سعید)"

اور امداد الاحکام (ج:2، ص:28) میں قرض کو علی الاطلاق مانع وجوب زکوۃ شمار کیا گیا ہے، چنانچہ اس میں ہے:

"سوال: ایک شخص نے چار ہزار روپے میں ایک زمین خریدی، جس کی ادا دس قسطوں میں قرار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا دوسری قسط کے لیے 250 روپیہ اس کے پاس رکھا ہے جس پر حولانِ حول ہو چکا ہے تو اس رقم پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور زمین کا قرض مانع وجوب زکوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس رقم پر زکوۃ واجب نہیں، قرض بہر حال مانع وجوب زکوۃ ہے، خواہ زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور خواہ اس کی ادا بالاقساط مشروط ہو یا بلا اقساط۔ واللہ اعلم"

Scanned by CamScanner

چند حنفی مذہب کے کتب کے تتبع سے معلوم ہوا جس سے امداد الاحکام کی عبارت کی تائید ہوتی ہے، بدائع الصنائع میں دین کو علی الاطلاق مانع وجوب زکوۃ شمار کیا گیا ہے، چنانچہ اس کی کی عبارت پیش خدمت ہے:

ومنها: أن لا يكون عليه دين مطالب به من جهة العباد عندنا، فان كان فانه يمنع وجوب الزكوة بقدره، حالا كان أو مؤجلا. (ج:2، ص:83 مط، دار الاحياء التراث العربي، الطبعة الثانية)

اور الفتاوی الهندية (ج:1، ص:190، مط عباس احمد الباز) میں ہے:

و منها الفراغ عن الدين: قال اصحابنا رحمهم الله تعالى: كل دين مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكوة سواء كان الدين للعباد كالقرض وثمن البيع وضمان المتلفات وارش الجراحة، وسواء كان الدين من النقود أو المكيل او الموزون او الثياب او الحيوان وجب بخلع او صلح عن عمد، وهو حال أو مؤجل.

نیز امداد الفتاوی (2/39، مط دار العلوم کراچی) کی تعلیق میں مذکورہ مسئلے کے متعلق مفتی اعظم پاکستان، حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے "تحقیق مانعیت و عدم مانعیت دین مہر از وجوب زکوۃ" کے عنوان سے استفتاء کے بارے میں علامہ قہستانیؒ کے قول کو مرجوح قرار دیا ہے، چنانچہ اس کی عبارت کچھ یوں ہے:

فالاظهر عندي القول الاول، ولا عبرة لنقل القهستاني عن الجواهر تصحيح الثاني فليتأمل.

شامی کی عبارت میں علامہ قہستانیؒ کی عبارت کو معیار بنایا گیا ہے، جہاں تک علامہ قہستانیؒ کے اقوال کا تعلق ہے تو (اصول الافتاء و ادابه) میں ان کے بارے میں (رجل لا يعرف حاله) کا تبصرہ فرمایا گیا ہے اور ان کے کتب کو کتب معتبرہ میں سے شمار نہیں کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے مخالف قول کو اور بھی تقویت مل سکتی ہے۔

اور یہ بات بھی توضیح طلب ہے کہ بدائع الصنائع میں یہی اختلاف ذرا آگے دین مہر ہی کے بارے میں نقل کیا گیا ہے۔ تو کیا یا دین مہر (جو کہ دین ضعیف ہے) دین قوی پر (جیسا کہ دونوں سوالوں میں ہے) قیاس کیا جاسکتا ہے؟

براہ کرم! اس مسئلے کے بارے میں بندہ کی الجھن کو دور فرما کر ماجور ہوں۔

بندہ محب اللہ وثیق عفی عنہ

فاضل جامعہ دار العلوم کراچی

متعلم تخصص فی الافتاء جامعہ اشرف المدارس کراچی

9 ربیع الاول 1437ھ ق

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

اصل سوال کے جواب سے پہلے بطورِ تمہید جاننا چاہیے کہ:

”وہ دیون جو مطالب مِن جہۃ العباد ہوں، اُن کے حالاً یا مؤجلاً ہونے سے اُن کے مانع زکوۃ ہونے پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہے، وہ یہ کہ:

عام طور پر متقدمین کا رجحان اسی طرف ہے کہ دین ہر صورت میں مانع زکوۃ ہے، فوری ادا طلب ہو یا دیر سے (اس بارے میں فقہاء کی کچھ عبارتیں سوال میں ذکر کی گئی ہیں، لہٰذا ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے)، لیکن مشائخ کا ایک گروہ شروع سے دینِ مؤجل کے مانع زکوۃ ہونے سے انکار کرتا ہے، خود امام کاسانی کا بیان ہے۔

”وقال بعض مشايخنا: إن المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادةً.“ (بدائع 6/2)

علامہ ابنِ ہمامؒ فرماتے ہیں:

”وهل يمنع الدين المؤجل كما يمنع المعجل في طريقة الشهيد لا رواية فيه ، إن قلنا لا فله وجه، وإن قلنا نعم فله وجه ، ولو كان عليه مهر لامرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل مانعا من الزكاة ذكره في التحفة عن بعضهم لأنه لا يعده دينا ، وذكر قبله مهر المرأة يمنع مؤجلا كان أو معجلا لأنها متى طلبت أخذته. وقال بعضهم : إن كان مؤجلا لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة انتهى.“ (فتح القدير 3/ 480)

علامہ شامی نے دینِ مؤجل کے سلسلہ میں طحاوی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ ایسے دین کو مانع زکوۃ نہیں مانتے تھے۔ نیز شامی نے قہستانی سے بعض اہلِ علم کی یہ بات نقل کی ہے کہ صحیح یہی ہے کہ مؤجل دَین زکوۃ واجب ہونے میں مانع نہیں۔

”(قوله أو مؤجلا إلخ) عزاه في المعراج إلى شرح الطحاوي، وقال: وعن أبي حنيفة لا يمنع. وقال الصدر الشهيد: لا رواية فيه، ولكل من المنع وعدمه وجه. زاد القهستاني عن الجواهر: والصحيح أنه غير مانع.“ (رد المحتار 2/ 261)

فتاویٰ تاتارخانیہ میں نجم الائمہ سرخسیؒ کے واسطہ سے ان کے مشائخ سے نقل کیا گیا ہے کہ دین مؤجل وجوبِ زکوۃ میں مانع نہیں ہے۔

”وذكر نجم الأئمة السرخكی عن مشائخه أنه لايمنع“ (تاتارخانیہ)

جاری ہے۔۔۔

دار الافتاء

اور عورتوں کے مہر مؤجل کے سلسلہ میں بھی بعد کے مشائخ کا عام رجحان یہی رہا ہے کہ وہ وجوب زکوٰۃ میں مانع نہیں اور بزدویؒ نے اس رائے کی تحسین کرتے ہوئے کہا ہے، وانہ حسن۔

فقہاء کی ان عبارات سے واضح ہے کہ مشائخ احنافؒ میں ایک قابلِ لحاظ تعداد ان لوگوں کی ہے جو دین مؤجل کو مانع زکوٰۃ نہیں مانتے ہیں، خود صاحب مذہب امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت اس کے مطابق منقول ہے اور علامہ قہستانیؒ نے اس رائے کا صحیح و معتبر ہونا نقل کیا ہے۔

نیز زکوٰۃ کے مسئلہ پر غور کرتے ہوئے ضروری ہے کہ فقہی جزئیات سے ہٹ کر شریعت کے مقصد و منشاء اور احکامِ زکوٰۃ کی روح کو بھی ملحوظ رکھا جائے، ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کے سلسلہ میں شریعت کی روح یہ ہے کہ انسان اپنے مال میں خدا کے حکم سے اس کے غریب بندوں کا حق بھی محسوس کرے اور غرباء پر خرچ کرے، اسی لیے فقہاء کے یہاں قاعدہ مقرر ہوا کہ جہاں وجوبِ زکوٰۃ اور عدمِ وجوب دونوں پہلو موجود ہو وہاں اس پہلو کو ترجیح دی جائے جس میں فقراء کو فائدہ ہوتا ہو........ اب صورتحال یہ ہے کہ اس زمانہ میں تجارت اور کاروبار کے لیے ترقیاتی قرضوں کا رواج عام ہے جو طویل مدت میں اور آسان اقساط پر ادا طلب ہوتا ہے، مقروض اس پیسہ سے بڑے بڑے معاشی فائدے حاصل کرتا ہے اور یہ رقم اس کے پاس جامد نہیں ہوتی بلکہ گردش میں رہتی ہے اور فقہاء کی زبان میں بالفعل مالِ نامی کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر اس دین کو زکوٰۃ سے مانع قرار دیا جائے تو فقراء ہمیشہ اپنے حق سے محروم رہیں گے، اس لئے جیسے متاخرین علماء نے بدلے ہوئے حالات کے پیشِ نظر عورتوں کے دین مہر کو زکوٰۃ میں مانع نہیں مانا ہے، لہٰذا یہ بات عین مناسب ہے کہ طویل مدتی مقسّط دیون میں ہر سال کی ادا طلب قسط کو اس سال کی زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے اور باقی مالیت پر زکوٰۃ واجب قرار دی جائے (جبکہ بالفعل وہ زکوٰۃ ادا کرنے پر قادر بھی ہو)۔

اصل سوال کا جواب:

اس تفصیل کے بعد اصل سوال کا جواب یہ ہے کہ امداد الاحکام میں حضرت نے جو موقف اختیار فرمایا ہے وہ متقدمین کے قول کے مطابق ہے کہ مطالَب من جھۃ العباد دیون مانع زکوٰۃ ہیں، چاہے وہ فوری ادا طلب ہوں یا دیر سے۔ جبکہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ عثمانی میں جو موقف اختیار فرمایا ہے، اسکی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔ دین مؤجل سے متعلق تفصیل منسلکہ تحریر میں ملاحظہ فرمائیں۔

(مستفاد من التبویب ۱۳۳۸/۸۶، وجدید فقہی مباحث از مقالہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ)

جاری ہے۔۔۔

دار الافتاء

Scanned by CamScanner

بدائع الصنائع، دارالكتب العلمية (2/ 6)

بأنه لا بد فيها من غنى المالك، والغنى لا يجامع الدين، وعلى هذا يخرج مهر المرأة فإنه يمنع وجوب الزكاة عندنا معجلا كان أو مؤجلا؛ لأنها إذا طالبته يؤاخذ به، وقال بعض مشايخنا: إن المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة، فأما المعجل فيطالب به عادة فيمنع، وقال بعضهم: إن كان الزوج على عزم من قضائه يمنع، وإن لم يكن على عزم القضاء لا يمنع؛ لأنه لا يعده دينا وإنما يؤاخذ المرء بما عنده في الأحكام.

رہی بات علامہ قہستانیؒ کی، تو علامہ قہستانیؒ کے بارے میں جو غیر معروف ہونے کا تبصرہ کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ان کا اپنا قول دوسرے فقہاء کے خلاف ہو، وہاں ہم ان کا قول دوسرے فقہاء کے مقابلے میں نہیں لیں گے، لیکن جہاں دوسرے فقہاء کی عبارات بھی ان کی تائید میں ملتی ہوں یا وہ اپنا قول بیان نہ کر رہے ہوں بلکہ کسی دوسرے فقیہ کا قول نقل کر رہے ہوں، وہاں ان کی نقل پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

اور ویسے بھی اس مسئلہ کا مدار صرف علامہ قہستانیؒ کی نقل پر نہیں ہے، بلکہ دوسرے فقہاء اور مشائخ کے اقوال بھی ملتے ہیں، جیسا کہ اوپر تفصیل بیان کی گئی ہے، اور علامہ قہستانیؒ کی نقل ان فقہاء کے موافق ہے، لہٰذا اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

......................واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سلمان احمد عفا اللہ عنہ

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۸/جمادی الثانیہ/۱۴۳۷ھ

/اپریل/2016ء

الجواب صحیح

الجواب صحیح

الجواب صحیح

الجواب صحیح

الجواب صحیح

الجواب صحیح